یادِ ایّام

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

یادِ ایام

(الفضل کے بڑے سائز کے پہلے پرچہ کیلئے تحریر فرمودہ مضمون)

زندگی کے دور ۱۹۱۳ء میں میری زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ جس طرح ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۸ء، ۱۹۰۰ء، ۱۹۰۶ء، ۱۹۰۸ء اور بعد ۱۹۱۴ء میں میری زندگی کے نئے دور شروع ہوئے۔

سن پیدائش وبیعت ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گو بوجہ احمدیت کی پیدائش کے میں پیدائش سے ہی احمدی تھا۔ مگر یہ بیعت گویا میرے احساس قلبی کے دریا کے اندر حرکت پیدا ہونے کی علامت تھی۔

۱۹۰۰ء کا قابل یادگار سال ۱۹۰۰ء میرے قلب کو اسلامی احکام کی طرف توجہ دلانے کا موجب ہوا ہے اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کوئی شخص چھینٹ کی قسم کے کپڑے کا ایک جُبّہ لایا تھا۔ میں نے آپ سے وہ جُبّہ لے لیا تھا۔ کسی اور خیال سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا رنگ اور اس کے نقش مجھے پسند تھے۔ میں اسے پہن نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے دامن میرے پاؤں کے نیچے لٹکتے رہتے تھے۔ جب میں گیارہ سال کا ہوا اور ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں۔ اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے۔ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی۔ جس طرح ایک بچہ کو اس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی یہ میرا پیدا کرنے والا مجھ مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان سے تبدیل ہو گیا۔ میں

اپنے جاموں میں پھولا نہیں سماتا تھا- میں نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا! مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو- اُس وقت میں گیارہ سال کا تھا آج میں پینتیس ۳۵ سال کا ہوں مگر آج بھی میں اس دعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں- میں آج بھی یہی کہتا ہوں- خدایا! تیری ذات کے متعلق مجھے کوئی شک پیدا نہ ہو- ہاں اُس وقت میں بچہ تھا- اب مجھے زیادہ تجربہ ہے اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو-

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک جُبّہ

بات کہاں سے کہاں نکل گئی- میں لکھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک جُبّہ میں نے مانگ لیا تھا- جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک دن ضُحیٰ کے وقت یا اشراق کے وقت میں نے وضو کیا- اور وہ جبہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے اور متبرک ہے- یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا- پہن لیا-

نماز کے متعلق گیارہ سالہ زندگی میں عزم

تب میں نے اس کوٹھڑی کا جس میں مَیں رہتا تھا دروازہ بند کرلیا- اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور میں اس میں خوب رویا' خوب رویا' خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا- اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا- اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی- گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے زمانہ کے ابھی باقی تھے- کاش! یہ عزم مجھ میں اب بھی ہوتا- میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے-

میں کیوں رویا

مجھے نہیں معلوم میں کیوں رویا- فلسفی کہے گا اعصابی کمزوری کا نتیجہ تھا- مذہبی کہے گا تقویٰ کا جذبہ تھا- مگر میں جس سے یہ واقعہ گذرا کہتا ہوں مجھے معلوم نہیں میں کیوں رویا- ہاں یہ یاد ہے کہ اُس وقت میں اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ پھر کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا- وہ رونا کیسا بابرکت ہوا- وہ افسردگی کیسی راحت بن گئی-

وہ آنسو کیا تھے؟

جب اس کا خیال کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ وہ آنسو ہسٹیریا کے دورہ کا نتیجہ نہ تھے پھر وہ کیا تھے- میرا خیال ہے وہ شمس روحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھے- وہ مسیح موعودؑ کے کسی فقرہ یا کسی نظر کا نتیجہ- اور اگر یہ نہیں تو میں

نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے۔

۱۹۰۶ء کا زمانہ

اس کے بعد ۱۹۰۶ء آیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیمار ہوئے۔ میری عمر سترہ سال کی تھی۔ اور ابھی کھیل کود کا زمانہ تھا۔ مولوی صاحب بیمار تھے۔ اور ہم سارا دن کھیل کود میں مشغول رہتے تھے ایک دن یخنی لے کر میں مولوی صاحب کے لئے گیا تھا۔ اس کے سوا یاد نہیں کہ کبھی پوچھنے بھی گیا ہوں۔ اس زمانہ کے خیالات کے مطابق یقین کرتا تھا کہ مولوی صاحب فوت ہی نہیں ہو سکتے۔ وہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد فوت ہوں گے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت تیز تھی۔ ایک دو سبق ان کے پاس الف لیلہ کے پڑھے پھر چھوڑ دیئے۔ اس سے زیادہ ان سے تعلق نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود کا دایاں اور بایاں فرشتہ

ہاں اُن دنوں میں یہ بحثیں خوب ہوا کرتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دایاں فرشتہ کون سا ہے اور بایاں کون سا ہے۔ بعض کہتے مولوی عبدالکریم صاحب دائیں ہیں۔ بعض حضرت استاذی المکرم خلیفہ اول کی نسبت کہتے کہ وہ دائیں فرشتے ہیں۔ علموں اور کاموں کا موازنہ کرنے کی اُس وقت طاقت ہی نہ تھی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس محبت کی وجہ سے جو حضرت خلیفہ اول مجھ سے کیا کرتے تھے میں نور الدینیوں میں سے تھا۔ ہم نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام سے بھی دریافت کیا اور آپ نے ہمارے خیال کی تصدیق کی۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات اور اس کا اثر

غرض مولوی عبدالکریم صاحب سے کوئی زیادہ تعلق مجھے نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں ان کے پُر زور خطبوں کا مداح تھا اور ان کی محبتِ مسیح موعود علیہ السلام کا معتقد تھا۔ مگر جونہی آپ کی وفات کی خبر میں نے سنی۔ میری حالت میں ایک تغیر پیدا ہوا۔ وہ آواز ایک بجلی تھی جو میرے جسم کے اندر سے گزر گئی۔ جس وقت میں نے آپ کی وفات کی خبر سنی مجھ میں برداشت کی طاقت نہ رہی۔ دوڑ کر اپنے کمرے میں گھُس گیا۔ اور دروازے بند کر لئے۔ پھر ایک بے جان لاش کی طرح چارپائی پر گر گیا اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ آنسو نہ تھے ایک دریا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی' مولوی صاحب کی محبتِ مسیح اور خدمتِ مسیح کے نظارے آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے۔ دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے کاموں میں یہ بہت سا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اب آپؑ کو بہت تکلیف ہوگی۔ اور پھر خیالات پر ایک پردہ پڑ جاتا تھا۔

اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک دریا بہنے لگتا تھا- اُس دن میں نہ کھانا کھاسکا نہ میرے آنسو تھمے- حتیٰ کہ میری لااُبالی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میری اس حالت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا- اور آپ نے حیرت سے فرمایا- محمود کو کیا ہو گیا ہے اس کو تو مولوی صاحب سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا- یہ تو بیمار ہو جائے گا-

زندگی میں سب سے زیادہ تغیر کس طرح پیدا ہوا

خیر مولوی عبد الکریم صاحب کی وفات نے میری زندگی کے ایک نئے دَور کو شروع کیا- اُس دن سے میری طبیعت میں دین کے کاموں میں اور سلسلہ کی ضروریات میں دلچسپی پیدا ہونی شروع ہوئی اور وہ بیج بڑھتا ہی چلا گیا- سچ یہی ہے کہ کوئی دنیاوی سبب حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین صاحب کی زندگی اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی وفات سے زیادہ میری زندگی میں تغیر پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوا- مولوی عبد الکریم صاحب کی وفات پر مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا ان کی روح مجھ پر آپڑی-

حضرت مسیح موعود کا سال وصال

۱۹۰۸ء کا ذکر میرے لئے تکلیف دہ ہے وہ میری کیا سب احمدیوں کی زندگی میں ایک نیا دَور شروع کرنے کا موجب ہوا- اس سال وہ ہستی جو ہمارے بے جان جسموں کے لئے بمنزلہ روح کے تھی اور ہماری بے نور آنکھوں کے لئے بمنزلہ بینائی کے تھی- اور ہمارے تاریک دلوں میں بمنزلہ روشنی کے تھی- ہم سے جُدا ہو گئی- یہ جُدائی نہ تھی ایک قیامت تھی- پاؤں تلے سے زمین نکل گئی- اور آسمان اپنی جگہ پر سے ہل گیا- اللہ تعالیٰ گواہ ہے- اُس وقت نہ روٹی کا خیال تھا- نہ کپڑے کا- صرف ایک خیال تھا کہ اگر ساری دنیا بھی مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑ دے تو میں نہیں چھوڑوں گا- اور پھر اس سلسلہ کو دنیا میں قائم کروں گا- میں نہیں جانتا- میں نے کس حد تک اس عہد کو نباہا ہے مگر میری نیت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اس عہد کے مطابق میرے کام ہوں-

۱۹۱۴ء کا افسوس ناک سال

اس کے بعد ۱۹۱۴ء آیا- مسیح موعود علیہ السّلام سے بُعد اور نورِ نبوت سے علیحدگی نے جو بعض لوگوں کے دلوں پر زنگ لگا دیا تھا- اس نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا- اور بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ پاش پاش ہو جائے گا- نہایت تاریک منظر آنکھوں کے سامنے تھا- مستقبل نہایت خوف ناک نظر آتا تھا- بُہتوں کے دل بیٹھے جاتے تھے- کئی ہمتیں ہار چکے تھے- ایک طرف وہ لوگ تھے جو سلسلہ کے کاموں کے سیاہ و

سفید کے مالک تھے- دوسری طرف وہ لوگ تھے جو کسی شمار میں ہی نہ سمجھے جاتے تھے- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو عہد میں نے کیا تھا وہ بار بار مجھے اندر ہی اندر ہمت بلند کرنے کے لئے اُکساتا تھا- مگر میں بے بس اور مجبور تھا- میری کوششیں محدود تھیں- میں ایک پتے کی طرح تھا جسے سمندر میں موجیں اِدھر سے اُدھر لئے پھریں-

سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت

"بدر" اپنی مصلحتوں کی وجہ سے ہمارے لئے بند تھا "الحکم" اول تو ٹمٹماتے چراغ کی طرح کبھی کبھی نکلتا تھا- اور جب نکلتا بھی تھا تو اپنے جلال کی وجہ سے لوگوں کی طبیعتوں پر جو اس وقت بہت نازک ہو چکی تھیں- بہت گراں گذرتا تھا- "ریویو" ایک بالا ہستی تھی جس کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا- میں بے مال و زر تھا- جان حاضر تھی- مگر جو چیز میرے پاس نہ تھی وہ کہاں سے لاتا- اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے' ان کی سُستی کو جھاڑے- ان کی محبت کو اُبھارے' ان کی ہمتوں کو بلند کرے اور یہ اخبار ثریا کے پاس ایک بلند مقام پر بیٹھا تھا- اس کی خواہش میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے ثریا کی خواہش' نہ وہ ممکن تھی نہ یہ- آخر دل کی بے تابی رنگ لائی- امید بر آنے کی صورت ہوئی اور کامیابی کے سورج کی سرخی اُفقِ مشرق سے دکھائی دینے لگی-

حرم اول کا بے نظیر ایثار

خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اس طرح تحریک کی جس طرح خدیجہ ؓ کے دل میں رسول کریم ﷺ کی مدد کی تحریک کی تھی- انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں روپیہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنویں میں پھینک دینا اور خصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمود ہو جو اُس زمانہ میں شاید سب سے بڑا مذموم تھا- اپنے دو زیور مجھے دے دیئے کہ میں ان کو فروخت کر کے اخبار جاری کر دوں ان میں سے ایک تو ان کے اپنے کڑے تھے اور دوسرے ان کے بچپن کے کڑے تھے جو انہوں نے اپنی اور میری لڑکی عزیزہ ناصرہ بیگم سَلَّمَهَا اللّٰہ تعالیٰ کے استعمال کے لئے رکھے ہوئے تھے- میں زیورات کو لے کر اسی وقت لاہور گیا اور پونے پانچ سو کے وہ دونوں کڑے فروخت ہوئے یہ ابتدائی سرمایہ الفضل کا تھا- الفضل اپنے ساتھ میری بے بسی کی حالت اور میری بیوی کی قربانی کو تازہ رکھے گا- اور میرے لئے تو اس کا ہر اک پرچہ گوناگوں کیفیات کا پیدا کرنے والا ہوتا ہے- بارہا وہ مجھے جماعت کی وہ حالت یاد دلاتا ہے جس کے لئے اخبار کی ضرورت تھی بارہا وہ مجھے اپنی بیوی کی

وہ قربانی یاد دلاتا ہے جس کا مستحق نہ میں اپنے پہلے سلوک کے سبب سے تھا نہ بعد کے سلوک نے مجھے اس کا مستحق ثابت کیا۔ وہ بیوی جن کو میں نے اس وقت تک ایک سونے کی انگوٹھی بھی شاید بنا کر نہ دی تھی اور جن کو بعد میں اِس وقت تک میں نے صرف ایک انگوٹھی بنوا کر دی ہے انکی یہ قربانی میرے دل پر نقش ہے۔ اگر ان کی اور قربانیاں اور ہمدردیاں اور اپنی سختیاں اور تیزیاں میں نظرانداز بھی کر دوں تو ان کا یہ سلوک مجھے شرمندہ کرنے کیلئے کافی ہے اس حسن سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دیئے جن سے میں دین کی خدمت کرنے کے قابل ہوا اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق اُلٹ دیا بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے بھی ایک بہت بڑا سبب پیدا کر دیا۔ کیا ہی یہ سچی بات ہے کہ عورت ایک خاموش کارکن ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس گلاب کے پھول کی سی ہے جس سے عطر تیار کیا جاتا ہے۔ لوگ اس دکان کو تو یاد رکھتے ہیں جہاں سے عطر خریدتے ہیں مگر اس گلاب کا کسی کو خیال نہیں آتا جس نے مر کر ان کی خوشی کا سامان پیدا کیا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ سامان پیدا نہ کرتا تو میں کیا کرتا۔ اور میرے لئے خدمت کا کون سا دروازہ کھولا جاتا اور جماعت میں روزمرہ بڑھنے والا فتنہ کس طرح دُور کیا جا سکتا۔

حضرت اماں جان کے احسان

دوسری تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت اماں جان کے دل میں پیدا کی۔ اور آپ نے اپنی ایک زمین جو قریباً ایک ہزار روپیہ میں بکی' الفضل کے لئے دے دی۔ مائیں دنیا میں خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں مگر ہماری والدہ کو ایک خصوصیت ہے۔ اور وہ یہ کہ احسان صرف ان کے حصہ میں آیا ہے۔ اور احسان مندی صرف ہمارے حصہ میں آئی ہے۔ دوسری ماؤں کے بچے بڑے ہو کر ان کی خدمت کرتے ہیں۔ مگر ہمیں یا تو اس کی توفیق ہی نہیں ملی کہ ان کی خدمت کر سکیں۔ یا شکر گزار دل ہی نہیں ملے جو ان کا شکریہ ادا کر سکیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اب تک احسان کرنا انہیں کے حصے میں ہے۔ اور حسرت و ندامت ہمارے حصے میں۔ وہ اب بھی ہمارے لئے تکلیف اٹھاتی ہیں اور ہم اب بھی کئی طرح ان پر بار ہیں۔ دنیا میں لوگ یا مال سے اپنے والدین کی خدمت کرتے ہیں یا پھر جسم سے خدمت کرتے ہیں۔ کم سے کم میرے پاس دونوں نہیں۔ مال نہیں کہ خدمت کر سکوں۔ یا شاید احساس نہیں کہ سچی قربانی کر سکوں۔ جسم ہے مگر کیا جسم؟ صبح سے شام تک جس کو ایک نہ ختم ہونے والے کام میں مشغول رہنا پڑتا ہے بلکہ راتوں کو بھی۔ پس بار منت کے اٹھانے کے سِوا اور کوئی صورت نہیں۔ میں جب سوچتا ہوں حسرت و ندامت کے آنسو بہاتا ہوں کہ خدایا میرے

جیسا نکما وجود بھی دنیا میں کوئی ہو گا جس نے خود تو کبھی کسی پر احسان نہیں کیا- مگر چاروں طرف سے لوگوں کے احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے- کیا میں صرف احسانوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے ہی دنیا میں پیدا ہوا تھا-

خدا تعالیٰ کے فضل

باپ ملا تو وہ کہ اس پر احسان کرنے کا خیال تو کجا احسان کا بدلہ دینے کی امید بھی علامتِ جنون ہے- والدہ ملیں تو وہ کہ پیدائش سے اس وقت تک ان کی طرف سے احسان ہی احسان ہیں- اور یہاں کسی بدلے کا خیال بھی ایک نہ پوری ہونے والی امیدوں کا سلسلہ- بیوی اللہ تعالیٰ نے وہ دی کہ اس نے ہر تکلیف میں محبت اور دلجوئی سے کام لیا- اور بغیر اس کے کہ میں نے اسے آرام دیا ہو میرے لئے اس نے قربانی اور ایثار کا نمونہ دکھایا- اب ایک جماعت کا امام بنایا تو ایسے لوگوں کو ماتحت بنا دیا جو اپنے ایثار اور اپنے اخلاص اور اپنی محبت کے اظہار سے ہمیشہ شرمندہ ہی کرتے رہتے ہیں- ان کی دینی قربانیاں میرے لئے قابل رشک- اور ان کا مذہبی جوش میرے لئے لائقِ اقتداء ہے- پھر میں کس مرض کی دوا دنیا میں پیدا کیا گیا ہوں- اے کاش! میں بھی کسی کام کا ہوتا- اے کاش! میں بھی کسی کے احسان کا بدلہ احسان سے دے سکتا-

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی امداد

تیسرے شخص جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے تحریک کی وہ مکرمی خان محمد علی خان صاحب ہیں آپ نے کچھ روپیہ نقد اور کچھ زمین اس کام کیلئے دی- پس وہ بھی اس رَو کے پیدا کرنے میں جو اللہ تعالیٰ نے "الفضل" کے ذریعہ سے چلائی حصہ دار ہیں- اور السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہونے کے سبب سے اس امر کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس قسم کے کام لے- اللہ تعالیٰ ان کو ہر قسم کی مصائب سے محفوظ و مامون رکھ کر اپنے فضل کے دروازے ان کے لئے کھولے-

"الفضل" نام کس نے رکھا

غرض جب اس طرح روپیہ کا انتظام ہو گیا- تو حضرت خلیفۃ المسیح اول سے میں نے اخبار کی اجازت مانگی اور نام پوچھا- آپ نے اخبار کی اجازت دی- اور نام "الفضل" رکھا- چنانچہ اس مبارک انسان کا رکھا ہوا نام "الفضل" فضل ہی ثابت ہوا- اسی زمانہ میں "پیغام صلح" لاہور سے شائع ہوا- تجویز پہلے میری تھی مگر "پیغام صلح" "الفضل" سے پہلے شائع ہوا- کیونکہ ان لوگوں کے پاس سامان بہت

تھے۔

الفضل کی اشاعت کا ایک خاص معاون

جب الفضل نکلا ہے اُس وقت ایک شخص جس نے اس اخبار کی اشاعت میں شاید مجھ سے بھی بڑھ کر حصہ لیا وہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل ہیں۔ اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو مجھ سے اس اخبار کا چلانا مشکل ہوتا۔ رات دن انہوں نے ایک کر دیا تھا۔ اس کی ترقی کا ان کو اس قدر خیال تھا۔ کہ کئی دن انہوں نے مجھ سے اس امر میں بحث پر خرچ کئے۔ کہ اس کے ڈیکلریشن کے لئے مجھے منگل کو نہیں جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ دن نامبارک ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ ضد کہ برکت اور نحوست خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ مجھے منگل کو ہی جانا چاہیئے۔ تا یہ وہم ٹوٹے۔ میرا خیال ہے اس امر میں مجھے قاضی صاحب پر فتح ہوئی۔ کیونکہ میں منگل کو ہی گیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈیکلریشن بھی مل گیا۔ جس کی نسبت قاضی صاحب کو یقین تھا کہ اگر میں منگل کو گیا تو کبھی نہیں ملے گا۔ اور اخبار بھی مبارک ہوا۔ بعد میں گو ایک مینیجر رکھ لیا گیا مگر شروع میں قاضی صاحب ہی مینجری کا بھی بیشتر کام کرتے تھے اور مضمون نویسی میں بھی میری مدد کرتے تھے۔

الفضل کے دوسرے مددگار

دو مددگار اور بھی تھے ایک صوفی غلام محمد صاحب اور ایک ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر۔ صوفی صاحب اس وقت اردو اچھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ میری ظالمانہ جرح و تعدیل سے ان کی زبان میں بہت کچھ اصلاح ہوئی ہے۔ مگر زیادہ مدد قاضی صاحب کی ہی تھی۔ کیونکہ اُس وقت میرے دوستوں میں سے جو شخص صحیح مشورہ اخبار کے متعلق دے سکتا تھا وہ قاضی اکمل صاحب ہی تھے۔

"الفضل" کی مخالفت

آخر "الفضل" نکلا۔ اور دشمن نے جب دیکھا۔ کہ خدا نے صداقت کے اظہار کے لئے بھی ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ تو اس کی مخالفت اور بھی چمک اٹھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے جب پہلا نمبر "الفضل" کا پڑھا تو فرمایا کہ "پیغام" بھی میں نے پڑھا ہے۔ "الفضل" بھی۔ مگر یہاں شَتَّانَ بَیْنَھُمَا۔ یعنی کُجا وہ کُجا یہ۔ یہ تو ایک مُبصِّر کی رائے تھی۔ مگر ہر شخص مُبصِّر نہیں ہوتا۔ چاروں طرف سے اس کی مخالفت کی آوازیں اٹھنی شروع ہوئیں۔ اور میں نے سمجھا کہ جماعت اِس وقت "الفضل" کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ مگر میں اس امر کے لئے تیار تھا کہ "الفضل" کی مخالفت ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ دو

تین ہزار روپیہ پہلے جمع کر کے میں نے اخبار کے نکالنے کا ارادہ کیا تھا- ہر پرچہ جو نکلتا مخالفت کی ایک لہر پیدا کر دیتا- اور اس کے خلاف جس قدر ممکن ہو سکتا جھوٹ اور فریب سے کام لیا جاتا- اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں- ہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس وقت یہ امر معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا قائم کردہ ایمان کیا مضبوط تھا-

جماعت کی توجہ الفضل کی طرف

باوجود مخالفت کے جماعت کی توجہ آہستہ آہستہ "الفضل" کی طرف پھرنی شروع ہو گئی- اور تھوڑے ہی دنوں میں باوجود "پیغام" کی مخالفت اور "بدر" کی پیغام کے حق میں غیر جانبدارانہ ہمدردی کے "الفضل" کی خریداری بڑھنے لگی- "الحکم" ان دنوں اول تو نکلتا ہی کم تھا دوسرے اس وقت اس کو صاحبانِ پیغام نے اس قدر بدنام کر دیا ہوا تھا کہ اس کی تائید مخالفوں کی مخالفت سے زیادہ خطرناک تھی- اور ہمارے شیخ صاحب باوجود ایک مخلص دل رکھنے کے گورنمنٹ کے ایجنٹ فری میسن خفیہ سازشوں کے بانی، دشمنان سلسلہ کے ہتھیار اور نہ معلوم کن کن ناموں سے مشہور تھے-

ایک نوجوان

الفضل کا دفتر اس وقت نواب محمد علی خان صاحب کے مکان میں تھا- اور وہیں مرزا محمد اشرف صاحب جو اب محاسب صدر انجمن احمدیہ میں رہا کرتے تھے- ان کے پاس اس وقت ان کے وطن کا ایک نوجوان رہتا تھا- جس کی مونچھیں اور ڈاڑھی ابھی نہ نکلی تھیں- یہ نوجوان ایک اور نوجوان سے مل کر عین دفتر "الفضل" کے سامنے بیٹھ کر "پیغام صلح" کی تائید اور "الفضل" کی غلطیوں پر بڑے زور سے بحثیں کیا کرتا تھا- ہمارے قاضی صاحب کو اس کی یہ حرکت بہت ناپسند تھی- اور وہ مجھے بعض دفعہ کہتے کہ "الفضل" کے دفتر میں ایسی گفتگو سخت مُضر ہے- مگر میرے دل میں اس نوعمر نوجوان کی یہ بات دو متضاد جذبات پیدا کیا کرتی تھی- میں اس کے ناواقفی کے اعتراضوں کو ناپسند بھی کرتا اور اس کے فعل کو کہ عین دفتر "الفضل" کے دروازہ کے سامنے بیٹھ کر وہ اس بحث کو چھیڑتا تھا- استعجاب کی نگاہ سے بھی دیکھتا تھا- یہ نوجوان بعد میں قادیان سے چلا گیا- اور اس نے "پیغام صلح" میں ہمارے مخالف بعض مضامین بھی لکھے- اس وقت اسے یہ معلوم نہ تھا کہ غیب نے اس کے لئے کیا مقدر رکھا ہوا ہے- قدرت اس کو کسی اور راہ پر چلانا چاہتی تھی- اور وہ قدرت کے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا- آخر گرفتار ہوا اور میری بیعت کی- اور کچھ دنوں کے بعد اسی دفتر میں جس کے دروازہ پر بیٹھ کر وہ

"الفضل" اور پیغام کا مقابلہ کیا کرتا تھا اور "پیغام صلح" کی پالیسی کو ترجیح دیا کرتا تھا۔ وہ داخل ہو گیا۔ اور آج اس کی ایڈیٹری کے عہدہ پر ممتاز ہے۔ آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ نوجوان میاں غلام نبی صاحب بلانوی ایڈیٹر الفضل تھے۔ خدا کی قدرتیں بھی عجیب ہیں۔ سفر کہاں سے شروع ہوا اور کہاں آکر ختم ہوا۔ وَالْاُمُوْرُ بِخَوَاتِیْمِھَا

خدا کے عطا کردہ نئے کارکن ۱۹۱۴ء کا دور جو میرے لئے بھی الفضل کے لئے اور ساری جماعت کے لئے بھی نیا دور تھا۔ وہ تو غالباً بہتوں کو یاد ہو گا۔ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کی حقیقت کو دنیا پر واضح طور پر ظاہر کیا۔ ہمیں نئے نئے کارکن عطا کئے۔ حافظ روشن علی صاحب، مکرم میر محمد اسحٰق صاحب، عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب، شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری، چودھری فتح محمد صاحب، ماسٹر محمد الدین صاحب، صوفی غلام محمد صاحب، ماسٹر نیر صاحب اسی دور جدید کی یادگار ہیں۔ اور کئی پودے جڑیں پکڑ رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

الفضل کو ترقی مبارک ہو "الفضل" نے بھی اس عرصہ میں کئی رنگ بدلے ہیں۔ اور اب وہ پھر اپنے پرانے سائز پر چھپنا شروع ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ یہ ترقی مبارک کرے۔ ترقی اس لئے کہ گو سائز اس کا پرانا ہو گا مگر اب وہ ہفتہ میں دوبار نکلے گا۔ اور پہلے وہ ہفتہ میں ایک بار نکلتا تھا۔

تغیرات سے پاک صرف ایک ہستی ہے چیزیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ آدمی پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں۔ کام شروع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ کہیں ترقی ہے کہیں تنزل ہے۔ کہیں خوشی ہے کہیں رنج ہے۔ مگر ایک ہستی ہے جو ان سب تغیرات سے پاک ہے۔ وہی وارث ہے سب کی۔ جب دوست اور اولاد انسان کو بُھلا دیتے ہیں۔ جب پسینہ کی جگہ خون بہانے والے لوگوں کے دلوں میں ایک ہلکے نقش کی طرح ایامِ سلف کی یاد باقی رہ جاتی ہے اُس وقت وہی ہستی اس کی یاد کو تازہ رکھتی ہے پس اصل میں وہی وارث ہے۔

نیک کام کا قیام کہتے ہیں نیک کام دنیا میں قائم رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک کام قائم رہتا ہے مگر یہ غلط ہے کہ دنیا میں قائم رہتا ہے۔ کئی نیک کام ہیں جو دنیا سے غائب ہو گئے اور بُھلا دیئے گئے ہیں۔ کئی نبی ہیں جن کے نام تک ہمیں معلوم نہیں۔ نیک نام

اس ہستی کے پاس قائم رہتا ہے جو اصل وارث ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ [1] انسان کو اسی نے پیدا کیا اور آخر اسی کے پاس وہ جاتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے اس کے کام اور اس کی ذات قائم رہتی ہے۔ ابتداءً بھی اسی نے پیدا کیا تھا۔ انجام بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے پس وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی مورث ہے وہی وارث ہے۔ وہی فوق ہے وہی تحت ہے۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ [2] وَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَلِلْمُحْتَاجِيْنَ نَصِيْرٌ وَمَعَ شَوْكَتِهٖ وَجَبْرُوْتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ لِعِبَادِهِ الضُّعَفَآءِ وَزِيْرٌ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَلِدَعْوَتِهٖ اُجِيْبُ وَاَرْجُوْ مِنْهُ الْكَرَمَ وَالْعِنَايَةَ وَالْغُفْرَانَ وَالسَّمَاحَةَ وَهٰذَا هُوَ مُطَابِقٌ لِشَانِهٖ وَمُقْتَضٰى لُطْفِهٖ وَاِحْسَانِهٖ لِاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَاَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

خاکسار

میرزا محمود احمد

(الفضل ۴۔جولائی ۱۹۲۴ء)

---

۱ الحدید : ۴ ۲ الانعام : ۱۰۴